

اقتصادی ماہرین نہیں، "سیانے" چاہیں!

ہندوستانی روپیہ، دنیا کی چوتھی بڑی روپیہ ہے۔ ایک سو ہتھر سال پرانی لوہے کی یہ کمپنی روزانہ تیرہ ہزار مسافر ٹرینیں چلاتی ہے۔ اسکے علاوہ نو ہزار دوسو ماں گاڑیاں بھی روزانہ چلتی ہیں۔ 2004 میں دنیا کی یہ مہیب ٹرین روپیہ مسائل کا گڑھ بن چکی تھی۔ وہی علیین، جو بر صیر کے نظام کا حصہ ہیں۔ حد رجہ کر پشن، گرتی ہوئی ساکھ، بے قاعدگی، ٹرینوں کا گھنٹوں نہیں دنوں تا خیر سے چلنا، مسافروں کیلئے سہولتوں کی عدم دستیابی یعنی جس قباحت کا نام لیں، اس نظام میں موجود تھی۔ لوگ انجن کے پر زے سر عام بیچتے نظر آتے تھے۔ چور کھڑی ہوئی ٹرینوں سے نشتبیں چرا لیتے تھے۔ ہندوستان کی حکومت مکمل طور پر بے بس تھی۔ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ بین الاقوامی ادارے امداد دیتے تھے تو تنخوا ہیں دی جاتی تھیں۔ لاکھوں ملاز میں کو وقت پر تنخوا نہیں ملتی تھی۔ ہڑتاں کرتے تھے۔ ٹرینیں روک لیتے تھے۔ پہیہ جام کر دیتے تھے۔ پھر جا کر مینجنٹ، قرضہ پکڑ کر تنخوا دیتی تھی۔ دنیا کے مالیاتی ادارے اسے سفید ہاتھی کہتے تھے۔ انکے نزدیک واحد حل روپیہ کو پرائیویٹ سیکٹر کو فروخت کرنا ہے۔ یعنی پرائیویٹائزیشن۔ یہ حل بین الاقوامی ادارے آج سے نہیں، دہائیوں سے چوران کی طرح بیچ رہے ہیں۔ 2004 کا ذکر کر رہا ہوں۔ ہندوستان کی روپیہ تقریباً دو ٹریچی تھی۔

2004 ہی میں ہندوستان میں ایکشن ہوا اور لاپور شاد بہار سے قومی اسمبلی کا نمبر منتخب ہوا۔ اس سے پہلے بہار کا طویل عرصے تک وزیر اعلیٰ بھی رہا۔ مکمل طور پر دیہاتی اور غیر مہذب شخص گردانا جاتا تھا۔ چارہ سکینڈل سے لیکر درجنوں طرح کے مالیاتی سکینڈلز کا مرکزی کردار تھا۔ پورے ملک میں کرپشن کا نشان تھا۔ لوگ اسکے بولنے کے لمحے کی تقیلیں اُتار کر ٹھہڑے اڑاتے تھے۔ اسکے معمولی قسم کے کپڑے بھی اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے سیاستدانوں کیلئے تحقیر کا باعث تھے۔ مگر ایک چیز اسکے تمام مخالفین اور ناقدین فراموش کر رہے تھے کہ وہ غیر معمولی طور پر ذہین انسان اور کامیاب ترین سیاستدان ہے۔ ایکشن جیتنے کے بعد جب لاپور شاد، ملی پہنچا تو وزیر اعظم نے پوچھا کہ کونسی وزارت لینا چاہتا ہے۔ لاوکا جواب تھا، "روپیہ"۔ وزیر اعظم فرمائش سنکر ششدروہ گیا۔ مگر روپیہ تو مکمل طور پر ڈوب چکا ہے۔ آپ وہاں کیا کریں گے۔ لاوکا جواب تھا کہ اسے ٹھیک کر دوں گا۔ وزیر اعظم اور دیگر سیاستدانوں نے مسکرانا شروع کر دیا۔ کیونکہ لاکونہ روپیہ چلانے کا تجربہ تھا اور نہ ہی اس نے کوئی حکومتی ادارہ ٹھیک کیا تھا۔ سچ پوچھیے تو بگاڑا ہی تھا۔ تمام سینئر سیاستدانوں کا خیال تھا کہ لاومنداق کر رہا ہے۔ اسکی نظر کسی اور وزارت پر ہے۔ مگر وہ بند ہو گیا۔ 2004 میں لاپور شاد، ہندوستانی روپیہ کا وزیر بن گیا۔ پہلے دن دفتر گیا تو چل اُتار کر کر سی پرچسکٹر الگا کر بیٹھ گیا۔ مخصوص لمحے میں روپیہ کے افسروں سے مسائل پوچھنے لگ گیا۔ دل ہی دل میں روپیے کے سینئر افسروں کی بھی نہ رہے تھے کہ کہاں یہ مکمل طور پر جاہل انسان اور کہاں روپیے کے مہیب مسائل۔ مگر وہ اس لاکونہ میں جانتے تھے جو اگلے چند برسوں میں ڈوبتے ہوئے ادارے کو زندہ کر کے اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ کسی بھی سینئر افسر نے وزیر کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ لاونے اب افسروں کی بجائے، مسافروں، قلیوں، مزدوروں، پھلی سطح کے ملاز میں، روپیے سٹیشن پر خوانچے فروشوں اور سٹیشن ماسٹروں سے ملنا شروع کر دیا۔ تمام مسائل ستتا تھا اور ذائقی شاف نوٹس لیتا رہتا تھا۔ چار ہفتے کے اندر، لاکونہ مسائل

کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا۔ سیدھا وزیر اعظم کے پاس گیا۔ کہنے لگا کہ ایک سال میں ریلوے کوٹھیک کر دوں گا۔ شرط صرف ایک ہے کہ اسکے کام میں وزیر اعظم آفس کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ وعدہ لیکر واپس آیا اور پھر اس نے متعدد فیصلے دیے۔

سب سے پہلے روٹ کود و حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک وہ جن پر منافع تھا اور ایک وہ جن پر نقصان تھا۔ نقصان میں چلنے والی ٹرینوں کو قطعاً بند نہیں کیا۔ بلکہ ان سے چند بوگیاں اُتار کر، منافع میں چلنے والی ٹرینوں میں لگوادیں۔ صرف ایک ہفتہ میں ان روٹ پر منافع بیس فیصد بڑھ گیا۔ لا لو نے سفر کیلئے ٹکٹ خریدنے کے نظام کو کمپیوٹرائزڈ کر دیا۔ پہلے لوگ، ہمارے ملک کی طرح، بروقت ٹکٹ کیلئے، کسی کی مٹھی گرم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ اب ہر انسان سہولت سے اپنا ٹکٹ خود کمپیوٹر پر خرید سکتا تھا۔ نشت مختص کرو اسلکتا تھا۔ ریلوے سٹیشن جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ٹکٹ خریدنے کے عمل میں سہولت سے مسافروں کی تعداد میں اٹھارہ فیصد کا اضافہ ہو گیا۔ بات یہاں نہیں رکتی۔ لا لو نے دیکھا کہ مال گاڑیوں میں سامان صرف دن کے وقت لادا جاتا ہے۔ حکم دیا کہ یہ عمل رات کو بھی جاری رکھا جائے۔ صرف ایک حکم سے مال گاڑیوں کی استطاعت میں سو فیصد اضافہ ہو گیا۔ ٹرک مافیا، جو حد درجہ مضبوط تھی، نے کہرام مچا دیا کہ انکا کار و بار ختم ہو جائیگا۔ مگر لا لو کا کہنا تھا کہ مال گاڑیوں میں سامان کی آمد و رفت، حد درجہ سستی ہے۔ ٹرک مالکان، اس کام کے دو گنے بلکہ تینے پیسے وصول کر رہے ہیں۔ لا لو کے خلاف ہڑتا لیں ہوئیں۔ مگر وہ روٹ سے مس نہ ہوا۔ نتیجہ یہ تکالا کہ مال گاڑیوں کی تعداد بے حد بڑھ گئی۔ اب ریلوے کا خسارہ بھی کم سے کم تر ہونے لگا۔ سارا ملک دیکھ رہا تھا کہ اب لا لو اور کیا کریگا۔ اسکے بعد لا لو نے کہا کہ امیر آدمی سے دو گناہ پیسے کمایا گی۔ امیر طبقے کیلئے اس نے لگڑری ٹرینیں چلا دیں۔ عام گاڑیوں سے انکا کرایہ بے حد زیادہ تھا۔ راج دھانی نام کی یہ لگڑری ٹرینیں حد درجہ مقبول ہو گئیں۔ امیر آدمی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ سوروپے دے رہا ہے یا پانچ سو۔ لا لو کا مال یہ تھا کہ اس نے عام مسافر کیلئے یعنی سینکڑ اور تھڑ کلاس کے کرائے میں کمی کر دی۔ اسکے ساتھ ساتھ، اول درجے کے ڈبوں میں نشستیں بڑھادیں۔ لا لو کے انقلابی اقدامات سے پوری دنیا میں تہلکہ مج گیا۔ ہاورد یونیورسٹی کے ماہرین نے لا لو کی کامیابی کے ماذل کو اپنے نصاب میں شامل کر لیا۔ پوری دنیا سے طالع، ہندوستان آ کر، سیکھنے لگے کہ حکومتی اداروں کو نقصان سے نکال کر فائدہ میں کیسے منتقل کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ کو اندازہ ہے کہ لا لو نے انڈین ریلوے کو کتنا مالی فائدہ پہنچایا۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ مجموعی طور پر ریلوے کو ساٹھ ہزار کروڑ روپے کا فائدہ ہوا۔ یہ کوئی تصوراتی منافع نہیں بلکہ یہ اس آن پڑھ نظر آنے والے شخص کی حکمتِ عملی کی بدولت ممکن ہوا، جس پر لوگ طنز کیا کرتے تھے۔ آپ چاہیں، تو ساٹھ ہزار کروڑ روپے کی رقم کی کسی بھی ذرائع سے تصدیق کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ، ہمارے ہمسایہ ملک میں ہوا اور ایک ڈوبتا ہوا ادارہ، اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر دوڑنے لگا۔

اب پاکستان کی طرف آئیے۔ ہمارے اکثر قومی ادارے شدید مالیاتی نقصان کا سامنا کر رہے ہیں۔ پی آئی اے کے متعلق حد درجہ متفقی خبریں تو اتر سے موصول ہوتی رہتی ہیں۔ سٹیشن مل، ریلوے اور دیگر قومی اداروں کی حالت حد درجہ خراب ہے۔ ہر حکومت مسائل بتاتی ہے۔ حل بہت ہی کم سامنے آتے ہیں۔ اب عمران خان کی نئی حکومت آچکی ہے۔ ہاورد اور غیر ملکی بہترین یونیورسٹیوں کے ماہرین آنے کا غفلہ مچا ہوا ہے۔ وہی اقتصادی ماہرین، جو عرصہ دراز سے بھیڑیوں کی طرح ملکی معیشت کو آئی ایم ایف اور دیگر مالیاتی اداروں کے

سامنے بوسیدہ گوشت کی طرح ڈالتے رہے ہیں۔ نت نئے مشورے دے رہے ہیں۔ انکی باتیں میں برس پہلے بھی وہی تھی اور آج بھی وہیں ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہتا، کہ محترم زرداری صاحب کی حکومت سے پہلے، جزل جاوید، سٹیل مل کے چیئرمین تھے۔ تقریباً دو یا تین برس چیئرمین رہے۔ مشرف دور میں تعینات ہوئے تھے۔ انہیں سٹیل مل چلانے کا راتی بھر تجربہ نہیں تھا۔ مگر اس شخص نے اپنے دور میں سٹیل مل کو خسارہ سے نکال کر منافع بخش بنادیا۔ جزل جاوید کوئی اقتصادی ماہر بھی نہیں تھا۔ فوجی ہونے کے باوجود ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ سادہ سے اقدامات سے سٹیل مل خسارے سے باہر نکل آئی۔ پھر، قیامت کی اندر ہیری چلی اور سٹیل مل، "مفہومت" کی نظر ہو کر بر باد ہو گئی۔ یہی حال پی آئی اے کا تھا۔ کئی ادوار ایسے گزرے ہیں، جنکی بدولت یہ قومی ادارہ فائدہ میں چلتا رہا۔ مگر پھر یہ "جمهوریت" بہترین انتقام ہے۔ کی نظر ہو گیا۔ ایک منصوبہ بندی سے کرپٹ نہیں بلکہ انتہائی "دونبر" بندے وہاں لگائے گئے۔ ایسے سیاسی لوگ، سرکاری افسروں اور اقتصادی ماہرین بھی آئے جنہوں نے اپنے جہاز چوری کر کے غیر ملکوں کو بیچنے شروع کر دیے۔ مجموعی طور پر صورتحال ڈگر گوں ضرور ہے مگر اسکو بہتر کیا جا سکتا ہے۔

سوال ہے کیسے اور کیونکر۔ جب عمران خان یہ اعلان کرتے ہیں کہ دنیا کے بہترین اقتصادی دماغ اکٹھے کریں گے تو از حد خوشی ہوتی ہے۔ مگر پھر یہ کیفیت خوف میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ شوکت عزیز سے اسلحہ ڈارتک، ہمارے پاس بلاکے مالیاتی ماہرین رہے۔ مگر صنعت اور قومی اداروں کا زوال جاری رہا۔ اب تو جیسے ہی ان جیسے پرانے چھرے ٹوی پر آ کر خراب اکانومی پر تبصرے فرماتے ہیں۔ تو اسی وقت اندازہ ہو جاتا ہے کہ دراصل فرماکش کر رہے ہیں کہ ہمیں خدمت کا موقع دیتھے۔ ہر چیز ٹھیک ہو جائیگی۔ مسئلہ کوئی نہیں۔ مگر یہ پرانے اور تجربہ کا رہر جہر ہمیں بارہا بر باد کر چکے ہیں۔ انکو موقع نہیں ملنا چاہیے۔ کسی بھی قیمت پر انہیں ملکی خزانہ کے نزدیک جانے کی اجازت نہیں ہوئی چاہیے۔

سب سے زیادہ ضرورت "سیانے" بندوں کی ہے۔ ہر ایک کو مسائل کا علم ہے اور ہر ایک کو حل بھی پتہ ہے۔ کوئی ایسی پچیدہ بات نہیں جو "کامن سینس" سے بالاتر ہوں۔ یہ سمجھدار لوگ انتہائی سادہ مگر فعال طریقوں سے قومی اداروں کو بہتر بناسکتے ہیں۔ ریلوے کے مسائل، ہاؤڑیوں پر فیسر نہیں بلکہ شیشن ماسٹر اور قلی سب سے اعلیٰ طریقے سے بیان کر سکتا ہے۔ ہر قومی ادارے کے نچلے طبقے سے مسائل کا حل پوچھیے، آپ کو سب کچھ بتا دیگا۔ بالکل ویسے ہی جیسے لا لو پرشاد نے 2004 میں انڈین ریلوے کے معاملے میں کیا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں، عمران خان، دانا لوگوں کو دور نہ کر دے۔ کہیں باہر کی ڈگریوں والے کسی اقتصادی ماہر سے متاثر نہ ہو جائے۔ جناب ہمیں ان مالیاتی ماہرین کی نہیں، بلکہ لا لو پرشاد جیسے سیانوں کی ضرورت ہے!

راوی منظر حیات